قانونِ قصاص

مفتی محمد عبدالقیوم ہزاروی (رحمۃ اللہ علیہ)

آج جب کہ پھانسی کی سزا پر پابندی اٹھالی گئی ہے اور مجرموں کو قصاص میں پھانسیاں دی جانے لگی ہیں یہ بات ازخود واضح ہوگئی کہ علماء کرام جو شروع دن سے یہ کہہ رہے ہیں کہ مملکتِ خداد میں خدا کے قانون کو نافذ کیا جائے تو وہ وطن اور اہل وطن کی بقا کے لئے کہتے چلے آئے ہیں نہ کہ کسی دشمنی کی بناء پر.....دہشت گردوں کے خلاف ہر طرح کے آپریشنز کرنے کے بعد بالآخر آپ اسی نتیجہ پر پہنچے کہ اسلام کا نظام عدل ہی ہر طرح کے فتنہ وشر سے بچا سکتا ہے اور حیاتِ مواطنین کی ضمانت قصاص ہی میں ہے.....ولکم فی القصاص حیاۃ یااولی الالباب.....کاش کہ اس سیدھی سی بات کو پہلے ہی مان لیا جاتا اور چند مجرموں کو تختہ دار پر لٹکا کر ہزاروں بے گناہوں کو لقمہ اجل بننے سے بچالیا گیا ہوتا.....بہر کیف اللہ کرے یہ پھانسیاں محض مخصوص قاتلوں تک محدود نہ رہیں بلکہ ہمیشہ کے لئے نافذ العمل ہو جائیں تو انشاء اللہ جرائم پر بہت جلد قابو پایا جاسکے گا.....اسی مناسبت سے حضرت مفتی محمد عبدالقیوم ہزاروی صاحب سابق ناظم اعلیٰ تنظیم المدارس اہل سنت کا بہت پہلے تحریر کردہ مضمن قانون قصاص پیش خدمت ہے.....(مجلس ادارت)

تعریف : قصاص، لغت میں مماثلت اور مساوات کو کہتے ہیں(۱)۔

اصطلاح شرع میں، قصاص کا معنی، عمداً قتل یا قطع اعضاء کے بدلے میں امکانی حد تک مساوات کو برقرار رکھتے ہوئے، مجرم کے ساتھ وہی کارروائی کرنا جو اس نے کی ہو(۲)۔

یہ کارروائی اگر جان کے بدلے ہو تو اس کو قصاص بالنفس کہتے ہیں۔اس میں ہر جان مساوی جان ہے۔ کیونکہ حر، عبد، مرد، عورت، بچہ اور بوڑھا سب جانیں مساوی ہیں(۳)۔

اگر یہ کارروائی قطع اعضاء کے بدلے ہو تو اس کو قصاص مادون النفس کہتے ہیں اس میں مساوات کے لیے زخم یا قطع کی کیفیت اور کمیت کا بھی اعتبار ہوگا(۴)۔

انسانیت کی تاریخ کو قتل ناحق کا مسئلہ درپیش رہا ہے۔کیونکہ یہ ایک فطری امر ہے کہ بسا اوقات انسان کسی ناپسندیدہ امر پر غضب میں حد اعتدال سے بڑھ جاتا ہے اور غیظ وغضب کی حالت میں اس کا آگ والا عنصر بھڑک اٹھتا ہے جس کی بناء پر اپنے ہوش وحواس پر کنٹرول نہ کرتے ہوئے مخالف کو قتل کر دیتا ہے۔

اس حقیقت کو حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام نے یوں بیان فرمایا:

ان الغضب جمرة فی قلب ابن آدم اما رأیتم الی حمرة عینیه و انتفاح او راجه. (۵)

یعنی غصہ انسان کے دل میں آگ کا چنگاڑا ہے تم اس کی آنکھوں کی سرخی اور گلے کی رگوں کا پھولنا کیا نہیں دیکھتے۔

یہ امر واضح ہے کہ آگ کا شعلہ جب بے قابو ہوتا ہے تو پھر ماحول کو جلا کر خاکستر کر دیتا ہے۔ یہ اس طرح کہ قتل کے جواب میں مقتول کے اولیاء بھی جب اپنے جذبات کی تسکین کی خاطر یہی کارروائی کرتے ہوئے حد سے تجاوز کر جاتے ہیں تو پھر فریقین اپنی اپنی عصبیت میں قتل وغارت کا بازار گرم کر دیتے ہیں جس کی لپیٹ میں پورا معاشرہ آ جاتا ہے اور اس کا امن وسکون ختم ہو کر رہ جاتا ہے۔ اس مضمون کو قرآن نے یوں بیان فرمایا ہے:

من قتل نفسا بغیر نفس اوفساد فی الارض فکانما قتل الناس جمیعا . (۶)

یعنی جس نے بغیر استحقاق کسی کو قتل کر دیا گویا اس نے پورے معاشرے کو قتل کر دیا۔ کیونکہ معاشرہ افراد کے مجموعہ کا نام ہے جبکہ انسانی افراد اپنے طبعی اور فطری تمدن کی بناء پر ایک دوسرے کے کام آتے ہیں اور آپس میں تعاون کرتے ہیں۔ لہٰذا جس نے معاشرہ کے ایک فرد کو قتل کیا تو اس نے گویا ایک جز کو کاٹ کر معاشرہ کو ناقص کر دیا۔ اس طرح قاتل پورے معاشرہ کا مجرم اور پورا معاشرہ مقتول کا ولی قرار پاتا ہے (۷)۔ جب کہ فطری طور پر کوئی بھی اپنے قاتل کو نظر انداز کرتے ہوئے اپنے ساتھ برداشت نہیں کر سکتا اس لیے قاتل کے معاشرتی وجود کو ختم کرنا معاشرے کا فطری حق بن جاتا ہے۔

یہی وجہ ہے کہ ہر دور میں معاشرہ اپنے افراد کے تحفظ میں کوشاں رہا اور ناحق قتل کو روکنے کی تدابیر اختیار کرتا رہا۔ چنانچہ ماقبل اسلام دورِ جاہلیت میں معاشرہ نے اپنی تدبیر سے کبھی قاتل کے لیے مالی سزا تجویز کی اور تاوان کا قانون وضع کیا (۸) مگر اس قانون نے مالدار فریق کو جہاں قتل کی جرأت دی وہاں اس نے تاوان وصول کرنے والے فریق کو بھی قتل کی گنجائش دی۔ کبھی قتل کی سزا، یہ مقرر ہوئی کہ قاتل خاندان کی مستورات مقتول کی ورثاء کے سپرد کر دی جائیں (۹) تاکہ وہ اپنے انتقامی جذبات کو قاتل کی بجائے اس

کی مستورات پر سرد کرے۔مگراس قانون کا نتیجہ یہ نکلا کہ قاتل فریق اپنی مستورات پر تشدد دیکھ کر مزید مشتعل ہوااور دوبارہ قتل کا راستہ اختیار کیا۔یا مستورات حاصل کر لینے کے باوجود مقتول کے ورثاء نے جب قاتل کو دیکھا تو مشتعل ہوکر قاتل کو قتل کر دیا۔یوں دوبارہ قتل کا راستہ چل نکلا،کبھی معاشرہ نے قتل ناحق کو روکنے کے لیے قاتل کو بالکل معاف کر دینے کا قانون بنایا تا کہ قاتل شرم کر کے آئندہ قتل سے باز رہے اور اصلاح پذیر ہو جائے (۱۰)۔اس قانون کی بناء پر قاتل شرمائے یا نہ شرمائے مگراس میں مقتول کے ورثاء کے جذبات ضرور مشتعل ہوں گے جب قاتل کو وہ زندہ دیکھیں گے تو مشتعل ہو کر اس کو قتل کریں گے خصوصاً جب معافی حاصل ہو جانے کا احساس موجود ہو۔

دورِ جاہلیت میں قتل ناحق کی سد باب کے لیے جو قانون مشہور اور مسلمہ قرار دیا جاتا تھا وہ جوابی قتل کا قانون تھا۔چنانچہ ان کے ہاں۔

القتل اوّل للاوّل، القتل النفی للقتل، قتل البعض احیاء للجمیع.

محاورے اور مقولے مشہور تھے (۱۱) جن کا معنی ہے:

قتل کا سدّ باب قتل سے ہوتا ہے اور بعض کا قتل باقی لوگوں کی بقاء ہے۔

مگراس قانون میں جوابی قتل کا کوئی معیار مقرر نہ ہونے کی بناء پر جوابی کارروائی حد سے تجاوز کر جاتی اور ظلم وتعدّی کا راستہ کھل جاتا جس کے جواب میں دوسرا فریق پھر جوابی کارروئی کا حق محفوظ رکھتا اس طرح یہ سلسلہ دونوں فریق عمر بھر جاری رکھتے چنانچہ یہود کا قبیلہ بنی نضیر بمقابلہ بنی قریظہ اسی طرح نصاری کا قبیلہ بنی خزرج بمقابلہ اوس۔صدیوں ایک دوسرے کو قتل کرتے رہے۔کیونکہ ان مقابلوں میں ایک فریق طاقتور اور دوسرا کمزور تھا جس کی وجہ سے طاقتور فریق قتلِ بدل میں کمزور فریق کے ساتھ زیادتی کرتا کہ اپنے ایک کے بدلے کمزور فریق کے دو یا عورت کے مقابلہ میں مرد،غلام کے مقابلہ میں آزاد کو قتل کرتا اور کمزور فریق کو عکس یعنی ان کے دو کے مقابلہ میں ایک مرد،مرد کے مقابلہ میں عورت اور آزاد کے مقابلہ میں غلام پر مجبور کرتے۔نتیجتاً کمزور فریق اس ظلم کے ازالہ کے لیے کوشاں رہتا اور جوابی کارروائی کرتا۔یوں یہ سلسلہ ہر دو فریق میں پشت در پشت جاری رہا۔(۱۲)

جبکہ جاہلیت کے موجودہ دور میں بھی معاشرتی طور پر مذکورہ بالا قوانین کے علاوہ بعض نے پھانسی کی سزا

نافذ کر رکھی ہے۔ ساتھ ہی انہوں نے یہ احتیاط بھی لازم کی ہے یہ پھانسی پردے میں ہوتا کہ لوگوں میں وحشت پیدا نہ ہو اور بعض نے پھانسی کے اس طریقہ کو بھی وحشی قرار دیتے ہوئے اس کو ختم کر دیا اور اس کی بجائے قید کو قتل کی سزا مقرر کیا ہے۔ ان لوگوں کا خیال ہے کہ قاتل کی موت سے مقتول زندہ نہیں ہوسکتا اور نہ اس کے ورثاء کو کوئی فائدہ ہوسکتا ہے۔ لہٰذا قاتل کو قصاص میں قتل کرنے یا موت کی سزا دینے میں قوم کے مزید ایک فرد کو ضائع کرنے کے سوا کچھ نہیں۔ جب کہ ہوسکتا ہے کہ بعد میں یہ شخص قوم کے کام آئے۔

اس کے علاوہ موجودہ دور میں قتل و غارت کو روکنے کے لیے نفسیاتی اقدامات بھی نافذ کیے جاتے ہیں مثلاً بازاروں اور محلوں میں مسلح دستے مقرر کیے جاتے ہیں یا عوام کو مسلح کرنے کے لیے اسلحہ لائسنس اور اسلحہ ڈپو عام کر دیئے جاتے ہیں تا کہ عوام اپنا دفاع خود کریں اور قاتل اسلحہ سے ڈر کر قتل کے اقدام سے باز رہے۔ مگر ان تمام تدابیر کے باوجود قتل و غارت کا بازار گرم ہے اور روزانہ سینکڑوں ناحق قتل ہو رہے ہیں۔ غرضیکہ انسان کے وضع کردہ تمام قوانین قتل کو روکنے میں غیر موثر ثابت ہوئے ہیں بلکہ یہ قوانین فریقین میں مزید اشتعال پیدا کرنے کا باعث بنے جس کی وجہ سے قتل و غارت میں روز بروز اضافہ ہوتا چلا گیا۔ ان قوانین کی ناکامی اس لیے ہوئی کہ یہ قوانین انسانی فطرت اور اس کے طبعی تقاضوں سے موافقت نہیں رکھتے کیونکہ ان قوانین کے وضع کرنے والے انسانی فطرت اور اس کی مشنری سے ناواقف حضرات تھے۔ جبکہ کوئی ایسا قانون مؤثر نہیں ہوسکتا جس میں انسانی فطرت اور اس کے طبعی تقاضوں کو پیش نظر نہ رکھا گیا ہو (۱۵)۔ چنانچہ قتل ناحق کے سدباب کے لیے تمام انسانی قوانین میں یہی کمزوری ہے جو مشترکہ ہے۔ غیر شرعی سزاؤں کی کمزوری کی بناء پر مجرم ان غیر فطری سزاؤں سے بچنے کے لیے حیلے تلاش کر لیتے ہیں کیونکہ انسانوں کے بنائے ہوئے قوانین کا توڑ کوئی بھی انسان کر سکتا ہے۔ اس کی وجہ یہ ہے کہ قانون بنانے والے انسان تمام امکانات کا احاطہ نہیں کر سکتے جبکہ مجرم نئی سے نئی تکنیک کے پیش نظر انسانی قانون میں رخنہ پیدا کر لیتا ہے لیکن فطرت میں تبدیلی نہیں ہوسکتی۔ شرعی قوانین چونکہ فطری اور طبعی ہیں لہٰذا ان میں رخنہ نہیں پیدا کیا جاسکتا۔

اس حقیقت کے پیش نظر قاتل اور مقتول کے ورثاء کے فطری احساسات کا اگر جائزہ لیا جائے تو واضح طور پر

معلوم ہوجاتا ہے کہ دونوں جس احساس کا شکار ہیں وہ احساس انتقام ہے۔مقتول کے ورثاء میں انتقام لینے کا احساس ہے جبکہ قاتل کو انتقام سے بچنے کا احساس ہے۔دونوں کا یہ احساس فطری ہے اور دونوں فریق اس میں طبعی طور پر مبتلا ہیں۔

تیسرا فریق جو انتقام سے لاتعلق ہے وہ خواہ کتنا ہی مؤثر اور سزا دینے میں بااختیار ہو، قاتل کو اس سے خوف ہے نہ ڈر ہے۔اس کی دلیل یہ ہے کہ فوری انتقام سے بچنے کے لیے قاتل بسا اوقات سزا دینے والے تیسرے فریق کی تحویل میں اپنے آپ کو دے دیتا ہے۔دوسری دلیل یہ ہے کہ تیسرے فریق سے سزا یافتہ ہونے کے باوجود وہ یا اس کا خاندان، مقتول کے ورثاء کے جوشِ انتقام سے خوف زدہ رہتا ہے۔اسی طرح مقتول کے ورثاء کو بھی تیسرے غیر متعلق فریق کی کسی کارروائی سے اطمینان نہیں ہوتا اور نہ ہی ان کا جوشِ انتقام سرد ہوتا ہے۔یہی وجہ ہے کہ تیسرے فریق کی طرف سے قاتل کو موت کی سزا مل جانے کے باوجود یہ لوگ قاتل کے خاندان والوں کو قتل کرنے کے درپے رہتے ہیں اور قاتل فریق بھی ان کے جوشِ انتقام سے خوف زدہ رہتا ہے۔

خلاصہ یہ ہے کہ قاتل اور مقتول دونوں فریقوں میں احساس انتقام وہ بنیادی امر ہے جس کا علاج، قیامِ امن کے لیے ضروری ہے ورنہ اس کے ازالہ کے بغیر سخت سزا بھی فریقین کو فساد سے نہیں روک سکتی۔لہٰذا آئندہ قتل وغارت کو روکنے کے لیے قاتل فریق کا خوف اور مقتول فریق کا جوش ختم کرنا ضروری ہے۔ تو اس کے خاتمہ کا فطری طریقہ یہ ہے کہ جوش انتقام کو ختم کرنے کے لیے سزا کا حق مقتول کے ورثاء کو دے کر قاتل کو ان کے اختیار میں دے دیا جائے تاکہ قاتل اور اس کے خاندان کی بے بسی مقتول کے ورثاء کے سامنے واضح ہوجائے۔اس موقعہ پر فطری طور پر دو ہی صورتیں پیدا ہوسکتی ہیں کہ مقتول کے ورثاء شدتِ جذبات اور جوشِ انتقام کی بناء پر قاتل کو قتل کرنے کا فیصلہ کریں گے یا وہ مخالف فریق کو اپنے سامنے بے بس اور شرمسار پاکر تحمل اور بردباری کا مظاہرہ کرتے ہوئے اپنے جوش کو رحم وکرم میں بدل دیں گے کیونکہ مخالف کو باخلوص شرمسار وار بے بس پاکر انسان فطری طور پر عفو اور درگزر کا مظاہرہ بھی کرتا ہے (۱۶)۔کیونکہ جوش کا یہی مطلوب تھا جو حاصل ہوگیا جبکہ حصولِ مطلوب پر سکون اور ٹھہراؤ فطری امر ہے۔ اس لیے ایسے موقعہ پر انتقام پورا کرلینے یا معافی دے دینے کی دونوں احتمال موجود ہوتے ہیں۔

انتقامی جوش اور خوف کو ختم کرنے کے اس فطری طریقہ میں دونوں فریقوں کا نہ صرف احساس انتقام ختم ہو گا بلکہ قاتل کی جان بچ جانے کا احتمال بھی موجود ہے۔

لیکن اس ہیجانی کیفیت میں قاتل کو اولیاءِ مقتول کے سامنے پیش ہونے میں خوف مانع ہے اور دوسری طرف قاتل کے پیش ہو جانے پر اولیاءِ مقتول کے صبر واعتدال کے لیے ان کا جوش مانع ہے۔

تو اس کے لیے ایک تیسرے فریق کی خدمات درکار ہیں جو انتقام سے لاتعلق اور اولوالامر ہو تا کہ وہ قاتل کو پیش کرنے اور اولیاء مقتول کو اعتدال پر رکھنے کا انتظام کرے اور خیال رکھے کہ بدلے کی عملی کارروائی میں مماثلت اور مساوات کے خلاف کوئی کام نہ ہو، حادثہ قتل سے متعلق دونوں فریقوں کے فطری جذبات اور ان کے فطری علاج، کے معیار کو پیش نظر رکھا جائے تو واضح ہو جاتا ہے کہ انسانوں کے وضع کردہ تمام قوانین غیر معیاری ہیں کیونکہ ان سب میں یہ کمزوری مشترک ہے کہ ان میں فریقین کے احساسِ انتقام کا پاس نہیں رکھا گیا بلکہ سزا کا حق ایک تیسرے فریق کو دے دیا گیا ہے جو جذبہ انتقام سے لاتعلق ہونے کی بناء پر قاتل کو سزا دینے میں خارجی دباؤ یا لالچ کا شکار ہو سکتا ہے۔

یہی وجہ ہے کہ اس سے قاتل کو ڈر ہے اور نہ ہی اولیاءِ مقتول کو اطمینان ہے۔ اس لیے ان قوانین کے تحت قاتل کو موت کی سزا دے دی جائے تو بھی اس سے قاتل کی جان رائیگاں جانے کے سوا کچھ حاصل نہ ہو گا کیونکہ ابھی تک اس فتنہ کی بنیاد احساسِ انتقام باقی ہے جس کی وجہ سے دونوں فریق ایک دوسرے کے تعاقب میں مصروف اور قتل وغارت کا بازار گرم کیے ہوئے ہیں۔

جبکہ اسلام نے انسانی قوانین کے مقابلہ میں جو قانون پیش کیا ہے وہ نہ صرف مؤثر ہے بلکہ اس میں بھی دیگر اسلامی قوانین کی طرح معاشرتی ضرورت اور انسانی فطرت کو ملحوظ رکھا گیا ہے (۱۷)۔ جس کی بناء پر حادثہ قتل سے متعلق دونوں فریق مطمئن ہو جاتے ہیں اور آئندہ کے لیے معاشرہ میں فتنہ وفساد کی بنیاد ختم ہو جاتی ہے۔ یہ طبعی اور فطری قانون قصاص ہے۔

یاایھام الذین آمنوا کتب علیکم القصاص فی القتلی. (۱۸)

ترجمہ اے ایمان والو! تم پر قصاص فرض کیا گیا ہے۔

قانونِ قصاص:

یہ ہے کہ حکومت ثبوتِ قتل کے بعد قاتل کو اولیاءِ مقتول کے سامنے پیش کر کے ان سے مجرم کو قتل یا معاف کرنے کا فیصلہ حاصل کرے۔ اگر اولیاءِ مقتول مجرم کو قتل کرنے کا فیصلہ دیں تو پھر حاکم اس کو قتل کرنے کا ایسا انتظام کرے کہ قتل کی یہ کارروائی قاتل کی کارروائی کے مساوی ہو اور کوئی تعدّی اور زیادتی نہ ہو اور اگر اولیاءِ مقتول معاف کرنے کا فیصلہ دیں تو جس شرط پر معافی دی گئی ہو اس شرط کو پورا کرنے کا اہتمام کرے۔

قصاص کی معنوی خصوصیات:

قصاص کا معنی یہ ہے کہ اولیاءِ مقتول کے کہنے پر، مقتول جان کے بدلے قاتل کی جان، کے ساتھ وہی کارروائی کرنا جو اس نے کی ہو، یوں قصاص کے معنوی اجزاء تین ہیں جن کو قرآن نے علیحدہ علیحدہ بیان کر کے ان کو عدل کی بنیاد قرار دیا ہے۔ قصاص کے معنی کی پہلی جز اولیاءِ مقتول کا فیصلہ ہے۔

معنی کی اس جزء کو قرآن نے دوسری آیت میں واضح فرمایا

من قتل مظلوما فقد جعلنا الولیه سلطانا . (۱۹)

یعنی جو شخص ظلماً قتل کیا گیا ہو تو قاتل کے بارے فیصلہ اولیاءِ مقتول کے اختیار میں ہے۔

قصاص کی دوسری جزء مقتول جان کے بدلے قاتل کی جان، اس جز کو قرآن نے یوں بیان فرمایا:

النفس بالنفس . (۲۰)

دونوں پر الف لام، لا کر پہلے نفس سے قاتل اور دوسرے نفس سے مقتول کی طرف اشارہ فرمایا۔ یعنی مقتول کی جان کے بدلے قاتل ہی کی جان لی جائے گی۔

اسی مفہوم کو دوسرے الفاظ میں بیان فرمایا کہ:

فمن اعتدٰی علیکم فاعتدوا علیه بمثل ماعتدٰی علیکم . (۲۱)

یعنی جس نے تم پر زیادتی کی ہے تم اسی سے اتنا بدلہ لو۔

قصاص کی تیسری جزء وہی کارروائی کرنا جو اس (قاتل) نے کی ہو۔ اس کو واضح فرماتے ہوئے ایک مقام پر فرمایا:

ان عاقبتم فعاقبوا بمثل ما عوقبتم به . (۲۲)

یعنی تم پر جتنی زیادتی ہوئی تم اسی کی مثل کارروائی کرو۔اس معنیٰ کی دوسری آیت میں یوں فرمایا:

فمن اعتدی علیکم فاعتدوا علیه بمثل ماعتدٰی علیکم .

یعنی جس نے جتنی زیادتی کی تم اس کے خلاف اتنی ہی کارروائی کرو۔

ان تین اجزاء کے تحقق سے جہاں قصاص کا مفہوم مکمل ہوا وہاں عدل کا معنیٰ بھی کامل ہوگیا۔

یوں قاتل اور مقتول فریقین کے فطری جذبات کو ملحوظ رکھتے ہوئے قانون قصاص اور اس کی معنوی خصوصیات نے اصل مرض یعنی احساسِ انتقام کا علاج کر دیا۔

ایک طرف اولیاءِ مقتول کے پر جوش انتقامی جذبہ کو سرد کرنے کے لیے قاتل کو ان کے سامنے عاجز اور بے بس کر دیا اور ان کو اختیار دے دیا کہ وہ قاتل کو قتل کریں یا معاف کریں، جب کہ دشمن کی بے بسی اور عجز کے مقابلہ میں اپنا تفوق اور برتر اور بااختیار ہونا انسان کے انتقامی جذبات کو فطری طور پر ختم کر دیتا ہے۔ (۲۲)

دوسری طرف اولیاءِ مقتول پر یہ پابندی لگا کر وہ صرف قاتل کی کارروائی کے برابر ہی اس کے خلاف کارروائی کر سکتے ہیں اس سے زائد کسی اور کے خلاف کچھ نہیں کر سکتے ،قصاص کی اس خصوصیت نے قاتل فریق کے خوف کا علاج کر دیا۔ کیونکہ صرف قاتل کو اس کی کارروائی کے مطابق قتل کرنا عدل کا تقاضا ہے جس کو تسلیم کرنا انسانی فطرت ہے اور اس تک وہ لاجواب اور غیر مشتعل ہے کیونکہ انتقام کا جذبہ ظلم اور تعدی کی وجہ سے پیدا ہوتا ہے جس کا یہاں شائبہ تک نہیں۔لہٰذا عدل کی حد تک اس کارروائی نے قاتل فریق سے خوفِ انتقام کو ختم کر کے اس کو آئندہ کے لیے بے فکر کر دیا۔

اور اسی طرح اگر اولیاءِ مقتول معاف کرنے کا فیصلہ کریں تو یہ ان کے جذبہ انتقام کے خاتمہ کا واضح ثبوت ہے کیونکہ انتقام اور احسان دو متضاد چیزیں ہیں جو بیک وقت جمع نہیں رہ سکتیں۔ جب کہ معافی نے دوسرے فریق کو ممنونِ احسان کر کے،اس کے خوف کو جاریہ تشکر سے بدل دیا۔

غرضیکہ قانونِ قصاص نے احساسِ انتقام کا خاتمہ کر کے دونوں فریق کو مطمئن کر دیا اور اس حادثۂ قتل کی بناء پر آئندہ کسی فتنہ اور فساد کا سدِ باب کر دیا اور معاشرہ کو تحفظ عطا کر دیا۔

جبکہ غیر اسلامی تمام قوانین اس فطری مرض کے فطری علاج سے عاری ہونے کی بناء پر فریقین میں قتل و غارت کے سبب کو باقی رکھتے ہیں جس سے معاشرہ کے امن کو خطرہ لاحق رہتا ہے۔

خالق فطرت نے ولکم فی القصاص حیوۃ فرما کر اس میں پانچ اعلانات فرمائے۔

۱۔ قتل سے محفوظ زندگی صرف قصاص میں ہے۔

۲۔ ہر قصاص میں جہت ہے۔

۳۔ قصاص کی بناء پر حاصل ہونے والی حیات نہایت معظم ہے۔

۴۔ قصاص کثیر جہات کا باعث ہے۔

۵۔ قصاص میں ایک خاص قسم کی حیات ہے۔

ان اعلانات کی ترتیب وار وضاحت یوں ہے:

پہلا اعلان:

پہلے اعلان میں حصر اور تخصیص کی وجہ یہ ہے کہ فی القصاص حیوۃ میں ظرف مقدم ہے جس سے حصر اور تخصیص صفت بالموصوف حاصل ہوتی ہے جیسا کہ لافیھا غول میں فرمایا گیا ہے کہ نشہ کا نہ ہونا صرف جنتی شراب کی خصوصیت ہے۔ باقی تمام شرابوں میں نشہ ہے (۲۴)۔ اسی طرح یہاں بھی خصوصیت کا اعلان فرمایا گیا کہ حیوۃ یعنی بقاءِ انسانیت صرف قصاص میں ہے۔ یعنی حیات و بقاءِ انسانیت کا واحد راستہ قصاص کے نظام کا نفاذ ہے۔ اس کے بغیر کوئی طریقہ (قاتل کو پھانسی، قید، جرمانہ، معافی، اسلحہ کی تقسیم یا پہرہ سخت کرنا) قتل و غارت کو نہیں روک سکتا۔

یہی مفاد اس آیت سے یوں بھی حاصل ہوتا ہے کہ فی القصاص حیوۃ، میں فی القصاص کو حیات کے لیے ظرف قرار دیا گیا ہے۔ جب کہ ظرف محل ہوتا ہے اور مظروف حال ہوتا ہے یعنی جس طرح کوئی حال محل کے بغیر نہیں پایا جا سکتا اسی طرح انسانیت کی بقاء بھی نظام قصاص کے بغیر محفوظ نہیں رہ سکتی۔

دوسرا اعلان:

دوسرا اعلان کہ ہر قصاص میں حیات ہے، یہ جامعیت القصاص کے الف لام استغراقی سے حاصل ہوتا ہے (۲۵)۔ ہر قصاص میں حیات اس لیے کہ قصاص اولیاءِ مقتول کا حق ہے۔ ان ہی کے فیصلہ پر قاتل کو قتل کیا

گیا ہے وہ اسی لیے مطمئن ہو گئے اور قاتل کو مجرم ہونے کی حیثیت سے برحق قتل کیا گیا ہے۔لہٰذا قاتل کے ورثاء کو بھی اعتراض کا حق نہیں اور قصاص کے نفاذ کے یقین پر، دیکھنے والے حضرات بھی پرامن رہیں گے۔لہٰذا قصاص کا ہر فرد مفید ہوگا اور عوام میں تحفظ کے یقین کا موجب ہوگا اور کبھی بھی قصاص کی بناء پر فتنہ پیدا نہ ہوگا۔

تیسرا اعلان:

تیسرا اعلان یہ کہ قصاص میں عظیم حیات ہے کیونکہ حیوۃٌ کو نکرہ لایا گیا ہے اور تنکیر میں عظمت کا معنی پایا جاتا ہے۔(۲۶) جیسے فقد کُذِّبَتْ رسلٌ میں رسلٌ کی تنکیر سے عظمت کا معنی حاصل ہوتا ہے۔تو معنی یہ ہوگا کہ قصاص میں عظیم الشان حیات ہے کیونکہ قصاص میں نہ صرف قتل کی روک تھام ہوگی بلکہ اس سے قاتل اور مقتول دونوں کے خاندانوں اور قبیلوں میں خوفِ انتقام ختم ہو جائے گا اور ایک دوسرے کے خلاف سازش میں مصروف رہنے کی بجائے بے خوف وخطر اور باہمی اعتماد سے اپنے اپنے کاروبار میں مصروف رہ کر اپنی مادی اور روحانی زندگی کو کامیاب بنائیں گے اور دنیا وآخرت دونوں زندگیوں میں بھلائی سے ہمکنار ہوں گے۔

چوتھا اعلان:

چوتھا اعلان یہ تھا کہ قصاص سے کثیر التعداد زندگیاں حاصل ہوں گی۔کیونکہ "حیوۃٌ" کی تنکیر سے تکثیر کا فائدہ بھی حاصل ہوتا ہے جیسے ان له لا بلا و ان له لغنمًا میں تنکیر تکثیر کے لیے ہے (۲۷) اور معنی یہ ہے کہ اس کی بکریاں اور اونٹ کثیر تعداد میں ہیں، یہاں بھی اسی طرح تکثیر حاصل ہوگی اور وہ اس طرح کہ جب قاتل بننے والے نے قصاص کے خوف سے ارادۂ قتل ترک کر دیا تو وہ قصاص میں قتل ہونے سے بچ گیا اور مقتول بننے والا بھی بچ گیا اور زندہ رہ گیا۔اسی طرح ان دونوں کی عصبیت اور حمایت میں دو قبیلوں اور خاندانوں کی جنگ وقتال کا خطرہ بھی ٹل گیا جس سے اس جنگ میں ضائع ہونے والی بہت سی جانیں زندہ رہ گئیں جس طرح یہ تمام لوگ دنیاوی زندگی میں محفوظ رہے اسی طرح وہ لوگ قتل اور غارت گری سے محفوظ رہ کر اخروی زندگی میں بھی عذاب سے بچ گئے۔اس طرح قانونِ قصاص میں زندگیوں کی کثرت پائی گئی۔

پانچواں اعلان:

پانچواں اعلان ہے کہ قصاص میں ایک خاص قسم کی حیات ہے۔نوعیت کا یہ معنیٰ بھی "حیوۃ" کی تنکیر سے مستفاد ہے۔کیونکہ تنکیر نوعیت کے بیان کے لیے بھی آتی ہے۔جیسے "علی ابصارھم غشاوۃ" میں غشاوۃ کی تنکیر نوعیت کے لیے ہے۔یعنی کفار کی آنکھوں پر ایک قسم کا پردہ ہے۔(۲۸) اس طرح یہاں بھی قصاص میں حیات سے انسانیت کی بقاء مراد ہے۔یعنی ایجاد حیات نہیں بلکہ بقاءِ حیات مراد ہے اور ظاہر ہے کہ کسی چیز کی ایجاد سے اس کی بقاء مقصود ہوتی ہے۔ورنہ ایجاد بے مقصد قرار پاتی ہے۔لہٰذا انسانیت کی تخلیق اور ایجاد کے مقابلے انسانیت کی بقاء زیادہ اہم ہے جب کہ انسانیت کی بقاء معاشرہ کی بقاء ہے تو آیت کا معنی یہ ہوا کہ قصاص میں معاشرہ کی بقاء ہے۔

گویا اس آیہ کریمہ "فی القصاص حیٰوۃ" میں پانچ طریقوں سے واضح کیا گیا کہ قانونِ قصاص انسانیت کی بقاء کا ضامن ہے۔بلکہ حصر اور خصوصیت سے ثابت ہوا کہ قتل وغارت سے نجات کا ضامن صرف قانون قصاص ہے۔

لہٰذا مسلمان ہونے کی حیثیت سے تمام مسلمانوں پر فرض ہے کہ وہ انسانوں کے بنائے ہوئے قوانین کے مقابلہ میں خالق تعالیٰ کے قانونِ قصاص کی حقانیت اور افادیت پر یقین رکھیں اور اسی کو قتل عام کے سدباب کے لیے موثر جانتے ہوئے نافذ کریں تا کہ ملک وملت کو جلد از جلد غارت گری سے نجات مل سکے۔

عقلی طور پر "قصاص ہی انسانیت کی بقاء کا ضامن" قرار پاتا ہے۔

کیونکہ قتل کا سبب غیظ وغضب کی شدت ہوتی ہے۔جبکہ غیظ وغضب انسان کی آگ والے عنصر کا مظہر ہے۔اس آگ کی شدت کو ختم کرنے کے لیے برودت یعنی ٹھنڈک کی ضرورت ہے جب کہ خوف، برودت کا مظہر ہے ..... کیونکہ خوف میں انسان کے خون پر جمود طاری ہوجاتا ہے .....جس کی بناء پر اعضاء پر لرزہ طاری ہوجاتا ہے اور اس کا رنگ زرد پڑ جاتا ہے۔

لہٰذا قاتل کو قصاص سے باز رکھنے کے لیے خوف میں مبتلا کرنا ضروری ہے تا کہ اس خوف کی وجہ سے اس کا غیظ وغضب ٹھنڈا پڑ جائے اور یہ بات عقلی طور پر مسلم ہے کہ سب سے بڑا خطرہ اور خوف انسان کو اپنی

جان کی فکر پر ہوتا ہے اور جان کی فکر قانون قصاص کے نفاذ کے یقین سے ہی پڑ سکتی ہے۔ لہٰذا جب قاتل کو ارادہ قتل کے وقت یہ یقین ہو جائے کہ مجھ پر قصاص کا قانون نافذ ہوگا تو وہ لازمی طور پر اپنی جان کی فکر میں مبتلا ہو کر سوچ کو تبدیل کر لے گا۔

فِی الْقَصَاصِ حَیٰوۃٌ..... علم بلاغت کی روشنی میں

اس آیتِ کریمہ کو فنِ بلاغت میں خاص مقام حاصل ہے۔ وہ اس لیے کہ عربوں کے ہاں بھی یہ بات مسلّم تھی کہ قتل کی روک تھام قتل کی سزا سے ہی ممکن ہے۔ اگرچہ وہ اس میں افراط وتفریط کا شکار تھے۔ وہ اس مفہوم کو ایک مختصر اور جامع کلام سے ادا کرتے تھے جس کو وہ فصاحت و بلاغت میں ضرب المثل قرار دیتے تھے۔ یہ مختصر اور جامع کلام " **القتل انفی للقتل** " تھا۔(۲۹)

مگر اس کے مقابلہ میں قرآن نے جو کلام استعمال کیا ہے وہ زیادہ فصیح و بلیغ ہے جس کو سن کر فصحاءِ عرب دنگ رہ گئے۔

فن بلاغت میں ان جملوں کا موازنہ کیا گیا ہے(۳۰)

اس موازنہ میں " **القتل انفی للقتل** " کے مقابلہ میں قرآنی جملہ " **فی القصاص حیوۃٌ** " میں دس خوبیاں پائی جاتی ہیں۔

ان میں سے پانچ خوبیاں معنوی اور پانچ لفظی ہیں۔

معنوی خوبیاں:

آپ پانچ اعلانات کی صورت میں سن چکے ہیں یعنی حصر وتخصیص، جامعیت، عظمتِ حیات، کثرتِ حیات اور نوعیت حیات۔ جن پر قرآنی آیت مشتمل ہے جب کہ یہ معنوی خوبیاں "القتل انفی للقتل" میں نہیں پائی جاتیں کیونکہ "القتل انفی للقتل" کے جملہ میں خبر مقدم نہیں کی گئی تاکہ حصر وتخصیص کا فائدہ حاصل ہو اور اس میں مسند الیہ نکرہ نہیں تاکہ اس سے تعظیم، تکثیر یا نوعیت کا فائدہ حاصل ہو سکے اور جامعیت اس لیے نہیں کہ "القتل انفی للقتل" میں قصاص کی بجائے قتل کا لفظ استعمال کیا گیا ہے، جبکہ قتل بطور قصاص اور بطور ظلم بھی ہو سکتا ہے جب یہ بطورِ ظلم ہو تو پھر قتل کے لیے نافی ہونے کی بجائے داعی ہوتا ہے جبکہ لفظ قصاص میں داعی قتل ہونے کا احتمال قطعاً نہیں ہو سکتا کیونکہ قصاص کا معنی ہی یہ ہے کہ قاتل کو بدلہ

میں مساوات اور مماثلت کے طور پر قتل کرنا۔

لفظی خوبیاں:

آیت میں لفظی پانچ خوبیاں جوان کے کلام میں نہیں ہیں وہ یہ کہ "القتل انفی للقتل" کے مقابلہ میں "فی القصاص حیوۃ" میں جن الفاظ کا تلفظ ہے وہ گیارہ ہیں جبکہ القتل انفی للقتل کے الفاظ چودہ ہیں۔

دوسری خوبی یہ ہے کہ آیت قرآنی میں مطلوب کی صراحت ہے کیونکہ قصاص کا مقصد محض قتل نہیں بلکہ اس کا مقصد حیات اور بقاء ہے۔ جبکہ القتل انفی للقتل میں حیات کا ذکر نہیں ہے بلکہ اس میں دفع قتل کا ذکر ہے حالانکہ آیت میں حیات صراحتاً مذکور ہے۔

تیسری خوبی یہ ہے کہ "فی القصاص حیوۃ" اپنے معنی مرادی کو ادا کرنے میں کامل ہے جس میں کوئی زائد لفظ بڑھانے کی ضرورت نہیں ہے جبکہ "القتل انفی للقتل" میں "انفی" اسم تفضیل کا صیغہ ہے۔ جس کے لیے مفضل علیہ کی ضرورت ہوتی ہے جس کی وجہ سے اس معنی کو مکمل کرنے کے لیے مفضل علیہ پوشیدہ اور مقدر ماننا پڑے گا یعنی القتل انفی للقتل من غیرہ کہیں تو اس جملہ کا معنی مکمل ہوگا۔

چوتھی خوبی یہ ہے کہ قرآنی آیت میں کسی لفظ کا تکرار نہیں ہے جب کہ القتل انفی للقتل میں لفظ قتل کا تکرار ہے۔

پانچویں خوبی یہ ہے کہ آیۂ کریمہ فن بدیع کے محسنات سے "مطابقت" پر مشتمل ہے جس سے کلام میں حسن پیدا ہوتا ہے (۳۱)۔ مطابقت کسی کلام میں دو متضاد معانی کو جمع کرنے کو کہتے ہیں (۳۲) چنانچہ آیت میں قصاص اور حیوۃ دونوں کو جمع کر دیا گیا ہے اور یہ دونوں متضاد معانی ہیں، کیونکہ قصاص مخصوص قتل کا نام ہے اور قتل کا معنی ازالہ حیات ہے۔ لہٰذا حیات اور ازالہ حیات کو آیت میں جمع کر دینے سے مطابقت پائی گئی ہے۔ جب کہ القتل انفی للقتل اس خوبی سے خالی ہے کیونکہ اس میں قتل کے مقابلہ میں قتل کو ذکر کیا گیا ہے۔

خالق کائنات کا ناحق قتل وغارت کو روکنے کے لیے قصاص کو قانون قرار دینا اور پھر اس قانون کو فصاحت و بلاغت کی انتہائی بلندیوں پر فائز کر کے زوردار انداز میں بیان فرمانا انسان کو دعوتِ فکر دیتا ہے کہ انسانی معاشرہ کے قیام اور اس کی بقاء اور تحفظ کا ضامن صرف قانونِ قصاص ہے۔ اس کامل اور ضامن قانون کو

نظر انداز کر کے ناقص قوانین کو اختیار کرنا عقل ودانش کے خلاف ہے۔

اسی لیے اللہ تعالیٰ نے **ولکم فی القاص حیوۃٌ یا اولی الالباب** فرما کر اہل عقل ودانش کو خطاب فرمایا۔

وآخر دعوانا ان الحمد للّٰہ ربّ العالمین.

☆.....☆.....☆.....☆

حوالہ جات

۱۔ لباب التاویل المعروف تفسیر خازن، ج۱،ص۱۰۶

۲۔ احکام القران،جصاص، ج۱،ص۱۳۳

۳۔ فتاویٰ قاضی خان، ج۴،ص۸۰۲

۴۔ فتاویٰ قاضی خان، ج۴۔ص۷۹۸

۵۔ جامع الترمذی،ص۳۱۹

۶۔ قرآن،سورۃ المائدہ،آیت۳۳

۷۔ تفسیر قرطبی،جلد۶،ص۱۴۷

۸۔ لباب التاویل (خازن) ج۱،ص۱۰۶

۹۔ ایضاً

۱۰۔ ایضاً

۱۱۔ احکام القرن (جصاص)، ج۱،ص۱۵۹

۱۲۔ ایضاً

۱۳۔ تفسیر مظہری، ج۱،ص۱۷۷

۱۴۔ ایضاً

۱۵۔ التشریع الجنائی (عبدالقادر عودہ) ج۱،ص۵۴۷

۱۶۔ التشریع الجنائی (عبدالقادر عودہ) ج۱،ص۵۴۹

۱۷۔ التشریع الجنائی (عبدالقادر عودہ)، ج۱،ص۵۴۹،۶۶۵